التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از

(سعید احمد)

(۷)

ذرا غور فرمائیے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔ ایک طرف دین میں وسعت، ہمہ گیری اور لچک کا عالم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسوۂ حسنہ ہیں، آپ کی پیروی سرتاسر خیر و برکت اور موجب فلاح وسعادت ہے لیکن جہاں تک دین ہونے کا تعلق ہے تو آپ کے صرف وہ اقوال و افعال دین ہیں جو آپ نے بحیثیت پیغمبر کے وحی الٰہی کی روشنی میں کئی بار ارشاد فرمائے ہیں ان کے علاوہ آپ کے وہ ارشادات اور معمولات جو پیغمبرانہ حیثیت سے تعلق نہیں رکھتے اور جن کو شریعت کی اصطلاح میں "سنن عادیہ" کہتے ہیں وہ دین یا کم از کم عین دین نہیں ہیں۔ ان کی خلاف ورزی کرنے والا گمراہ اور مستحق ملامت نہیں اور اس کے لئے کوئی وعید اُخروی نہیں ہے۔ پھر آپ کے ارشادات و اعمال کا وہ حصہ جو دین کی حیثیت رکھتا ہے ان کی بھی کوئی ایک متعین اور مشخص تشریح و تعبیر عین دین نہیں بلکہ ائمہ مجتہدین نے مختلف بنیادوں پر ان کی جو مختلف توجیہیں اور تاویلیں کی ہیں جن کے باعث فقہ کے متعدد اسکول اور مسلک پیدا ہوئے اور جن پر اسلامی احکام کے تنوع کا دار و مدار ہے ان میں سے کوئی ایک مخصوص تاویل و توجیہ نہیں بلکہ سب ہی دین ہیں چنانچہ فقہ حنفی جس طرح دین ہے۔ فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی اور ان کے علاوہ اور متعدد فقہی مسالک جو امام اوزاعی حضرت سفیان ثوری۔ ابن جریر اور ابن عیینہ وغیرہم رحمہم اللہ کی جانب منسوب ہیں اور جن کو قبول عام حاصل نہ ہونے کی وجہ سے فروغ نہ ہو سکا یہ سب دین ہیں اور ان میں سے کسی ایک مسلک کے عامل کو گم کردہ راہ

اور دین سے منحرف نہیں کہا جا سکتا یہ تنوع اور یہ رنگارنگی اسلام کا عیب نہیں ہنر ہے۔ اس کا نقص نہیں بلکہ کمال ہے۔ چنانچہ ارشاد گرامی "اختلاف امتی رحمۃ" میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اس اختلاف اور تنوع احکام کے باعث اسلام میں کبھی بھی اور زندگی کے کسی مرحلے پر بھی جمود پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ انسانی تمدن و تہذیب کی تاریخ ارتقا کے ہر دور میں۔ ہر ملک اور ہر زمانہ کے بدلے ہوتے حالات میں اپنے پیرووں کے لئے ایک صحیح۔ ترقی پذیر، اور معتدل راہ عمل پیدا کر سکتا ہے چنانچہ جن حضرات نے فقہ کے مختلف مسالک و مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ تمام مذاہب فقہ میں سے فقہ حنفی کو ہی عجمی ممالک اور ان میں سے بھی متمدن ممالک میں کیوں قبول عام حاصل ہوا اور نیز یہ کہ اس مذہب فقہ نے اسلام کے لئے کس طرح ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کی سبیل پیدا کی جو عربی اور عجمی اقوام کے اختلاط و ارتباط سے پیدا ہو گئے تھے، آج ہم بنو عباس کے جس دور کو "دور زریں" کہتے ہیں اور جس کے سامنے یورپ کے موجودہ دور ترقی علوم و فنون کا سر بھی بار منت احسان سے خم ہے۔ یہ سب فقہ حنفی کا صدقہ اور طفیل ہے۔ ورنہ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے امام مالک نے تو صاف طور پر خلیفہ عباسی سے کہہ ہی دیا تھا کہ ہم علمائے حجاز کے احکام حجاز کے لوگوں کے لئے ہیں جو اپنے وطن اور ملک میں تصادم و تزاحم اقوام کے بھونچال سے آشنا نہیں ہوتے۔

لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ ان تمام حقائق کے برخلاف آج ہمارے مکرم مولانا عبدالباری ندوی کا دعویٰ ہے کہ عین دین وہی ہے جو حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا یا کیا، اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی اور بے دینی ہے۔ ص ۱۵۱ پر فرماتے ہیں۔

"جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے لئے اس حسن عمل کا اکمل اسوہ ہوتے ہیں اسی طرح نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے تھانوی مجدد کی زندگی تجدیدی درجہ میں امت محمدیہ کے لئے اسلام کی عملی تعلیمات کا ہر شعبہ میں کامل و جامع نمونہ تھی۔

اس کے بعد صفحہ ۵۷ پر "ذالک الکتاب کے مناسب حضرت کی تجدیدی کرامت" کے زیر عنوان ارشاد فرماتے ہیں:۔

"یہی اصلاح و تجدیدی جامعیت ہے جو ذالک الکتاب والے دین کے جامع المجددین کی سینکڑوں کتابوں کے

ہزاروں صفحات پر اصلاحی و تجدیدی صورت میں پھیلی ہوئی ہے اور جس طرح ذلک الکتاب اس دین کے پیغمبر کا سب سے بڑا معجزہ یا سب سے بڑی برہان و آیت تھی۔ اسی کے اتباع میں اس کے تھانوی مجدد وقت کی کتابیں اپنی کمیت و کیفیت ہر اعتبار سے اس کی تجدیدی جامعیت کی سب سے بڑی کرامت ہیں۔ آج جو شخص بھی دین اسلام کے چہرہ کو پورے جمال و کمال کے ساتھ بالکل صاف و بے غبار جامع و کامل صورت میں از سر نو تجدید یافتہ اور تر و تازہ دیکھنا اور پانا چاہتا ہے وہ عہد حاضر کے جامع المجددین کی کتابی آیتوں کی طرف علماً و عملاً رجوع کر کے خود مشاہدہ کر سکتا ہے۔ عجیب بات ہے جس طرح ذالک الکتاب کا معجزہ رکھنے والے نے دوسرے غیر متعلق معجزات کے مطالبہ کی نسبت یہ فرمایا کہ ”قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ“ اسی طرح نبی کامل کے متبع کامل کے کلام میں بھی کثرت سے جابجا کشف و تصرفات سے اپنی قطعاً تبری فرمائی گئی ہے اور سارا زور بس وحی یا شریعت کے احکام و اتباع پر ہے۔

آپ نے دیکھا! بھلا اس جوش عقیدت کی کوئی انتہا بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید کا ارشاد ہے ”هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا“ تو یہاں حضرت جامع المجددین کے لئے بھی جگہ جگہ مجدد مبعوث کا خطاب“ وہاں ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ“ تو یہاں بھی لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ“ کا عکس (ص ۵۴) وہاں قرآن مجید آنحضرت کا معجزہ تو یہاں بھی مولانا تھانوی کی کتابیں تجدیدی کرامت“ وہاں ذالک الکتاب آیات بینات تو یہاں بھی مولانا تھانوی کی تالیفات کے مباحث ”کتابی آئتیں“ عقیدت و ارادت کا اتنا ہی جوش اور ولولہ ہو آخر یہ تو سوچنا چاہئے تھا کہ آفتاب بہر حال آفتاب ہے اور ایک ذرہ خواہ کیسا ہی چمکیلا اور درخشاں ہو بہر حال ذرہ ہے اس بنا پر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ذرہ کے صفات کو آفتاب کے صفات پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے اور ذرا عنوان بدل کر یہ باور کرایا جائے کہ اب آفتاب غروب ہو گیا ہے تو ذروں سے ہی کسب ضیا کرنا چاہئے!

اب ہم ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کسی حکم میں اصل اسلامی تعلیم کی رو سے کتنی لچک تھی لیکن فاضل مصنف نے محض جوش عقیدت کے باعث اس میں کتنی جکڑ بند کر دی ہے اور

اس بنا پر وہ حکم یک طرفہ ہو کر رہ گیا ہے۔

(۱) مثلاً مولانا تھانوی کی یہ خصوصیت بے شبہ لائق ستائش و تحسین ہے کہ وہ امرا سے ملنے جلنے میں استغنا اور بے نیازی برتتے تھے۔ ان سے کوئی غرض نہیں رکھتے تھے اور عالمانہ خود داری کو قائم رکھتے تھے، اور جہاں تک کہ راقم الحروف کی افتادِ طبع اور مزاج کا تعلق ہے احباب اچھی طرح جانتے ہیں وہ خود بھی اسی روش کو پسند کرتا اور اس پر عامل ہے لیکن مولانا تھانوی کے اس عمل کو آڑ بنا کر ان تمام علما اور مشائخ پر تبرا کرنا جو امرا سے میل جول رکھتے ہیں اور ان کو مطلقاً برا بھلا سنانا اسلام کی تعلیمات کا مقتضا نہیں ہے مگر افسوس کہ مولانا عبدالباری نے ایسا ہی کیا ہے۔ چنانچہ حیدر آباد کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ سوالات (بھی) بے چارے کے خواب و خیال میں کیا گذرے ہوں گے کہ جواب دیتے۔ ان کو سابقہ اب تک ایسے علما و مشائخ سے پڑا تھا جو خود ہی طرح طرح کے ظاہر و مخفی وسائل و ذرائع سے بازیابی کے طالب و ساعی ہو کر آتے ہیں (۵۵)"

اس کے بعد یہ واقعہ ختم کر کے اس پر ریمارک کرتے ہیں۔

"ضرورت ہے کہ دین کے علما و مشائخ کی آنکھیں کھلیں اور ان کی نظر ان باتوں تک پہنچے ورنہ امرا کے درباروں میں حاضری اور درباداری سے دنیا تو شاید کچھ مل جاتی ہو لیکن دین اپنا ان کا اور دوسروں سب کا کھو دیتے ہیں راقم احقر کو حیدر آباد ہی میں بارہا اس کے تجربات ہوئے کہ جو اہل علم و دین خود طالب اور امراء کو کسی اعتبار سے بھی مطلوب بنا کر جاتے ہیں۔ خواہ کسی کی سفارش ہی کے لئے ہو وہ کچھ نہ کچھ مروت و مداہنت اور تملق پر لازماً مضطر ہوتے ہیں اور جس ہو تو علم و دین ہی کی نہیں۔ خود اپنی اچھی خاصی ذلت تو آدمی ضرور محسوس کرتا ہے مگر اکثر بے حسی کا یہ عالم دیکھا کہ اس ذلت کو الٹے فخر و مباہات جان کر گاتے پھرتے ہیں۔"

اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے سنی جائے گی کہ انھیں سطور کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی کے قلب میں امارت و دولت کی بنا پر امراء کی کوئی عظمت نہیں تھی۔" سوال یہ ہے کہ عظمت کیوں تھی جب کہ قرآن مجید نے دولت کو متعدد مواقع پر "خیر"، "فضل اللہ" اور "نعمت" کہا ہے اور جب کہ یہ ظاہر

ﮦ مولانا عبدالباری ندوی سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں کہ ان سطور میں ان کا گوشۂ نظر حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تو نہیں ہے؟

ہے کہ سینکڑوں اہم اور ضروری عبادتیں اور کارہائے ثواب ایسے ہیں جو دولت وثروت کے ذریعہ ہی انجام پا سکتے ہیں۔ دولت کا بے محل صرف بے شک گناہ اور لائق مذمت ہے۔ لیکن دولت بنفسہا تو اللہ کی ایسی ہی نعمت ہے جیسا کہ علم۔ حسن۔ تندرستی۔ طاقت وقوت۔ بادشاہت اور اقتدار ہے اور اللہ کی ان نعمتوں کی عظمت کا دل میں احساس نہ ہونا مقتضائے اسلام نہیں بلکہ نامردی۔ بزدلی اور بدذوقی وکم سوادگی ہے

چنانچہ دیکھو مذکورہ بالا نعمتوں میں سے کون سی نعمت ہے جو بکمال افراط و بہتات آنحضرتؐ کو عطا نہیں فرمائی گئی، کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس دولت تو نہ تھی تو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے جس ذاتِ اقدس کے وجود سے ہی عالم آب وگل کی رونق وبہار ہوا در قیصر وکسریٰ کی حکومتیں جس کے غلامان غلام کے قدموں پر جھکی ہوئی ہوں ان کے لئے دولت کی کیا کمی ہوسکتی تھی لیکن اس کی شانِ بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بسا اوقات چولھے میں دو دو وقت آگ بھی نہیں جلتی تھی جو کچھ تھا قوم وملت کے لئے تھا اور دوسروں کے لئے تھا اس نے ایک غریب ومفلوک الحال قوم کو خاک مذلت سے اٹھا کر خزائن السمٰوٰت والارض کا مالک بنا دیا۔ اور خود ایک کمبل پر قانع رہا۔ اس نے اونٹ چرانے والے اور ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ میں مارے مارے پھرنے والوں کے گھروں میں سونے چاندی کی نہریں بہا دیں کلاہِ خسرو اور تختِ جمشید کو ان کے قدموں پر لا ڈالا لیکن خود اس کا اثاثہ بیت چند معمولی چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز پر مشتمل نہ تھا، یہی شانِ شانِ فقر تھی جس کے معنی بے نیازی کے ہیں اور اسی کو آپ نے "الفقر فخری" فرمایا۔

خیر! یہ نکتہ تو بطور جملہ معترضہ کے تھا۔ اب ذرا ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"حیدرآباد جانے والے علماء ومشائخ میں بہت ہی کم کوئی ہوگا جو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں باریابی کی آرزو اور وظیفہ ومنصب وغیرہ کی طمع دل میں نہ رکھتا ہو اور اس کے لئے کھلی چھپی کوشش نہ کرتا ہو" (ص ۵۲)

اول تو سب کو ایک لکڑی سے ہی ہانک دینا قرینِ انصاف نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں کچھ ایسے بھی ضرور ہوں گے جو یہ سمجھتے ہوں گے کہ اگر اعلیٰ حضرت کی اصلاح کر دی جائے تو اس کے ذریعہ دین کے نہایت اہم اور عظیم الشان کام انجام پا سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ نظام خود کسی کے پاس جاتے نہیں ہیں اس لئے انھوں نے اپنا مذہبی اور دینی فریضہ سمجھا کہ وہ خود نظام کے پاس جائیں اور کلمۂ حق سنائیں اور پھر اگر بالفرض

وظیفہ یا منصب کے لئے بھی کسی نے کوشش کی تو ممکن ہے کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وظیفہ یا منصب پانے کے بعد وہ معاشی ضروریات سے بالکل مطمئن ہوجائے گا اور اپنا سارا وقت علم اور دین کی خدمت کے لئے وقف کردے گا۔ اگر واقعی ایسا ہے تو یہ اچھی بات ہے اس میں برائی کون سی ہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے آپ کو ہر دور میں علماء اور مشائخ میں دو قسم کے لوگ ملیں گے ایک وہ جو دربار سے اور امراء سے الگ رہے اور دوسرے وہ جو محض اصلاح اور دین کی خاطر دربار سے بھی تعلق رکھتے تھے اور امراء سے بھی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض دنیا دار علماء کا حال وہی ہے اور وہی رہا ہے جو مولانا عبد الباری نے لکھا ہے لیکن "إنما الأعمال بالنیات" اور "إن بعض الظن إثم" کے پیش نظر ہر اس شخص کو جس کا عمل مولانا تھانوی کے عمل سے مختلف ہے ملعون و مطرود کر دینا اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری اور وسعت کے خلاف ہے۔

(۲) ڈاڑھی رکھنا بلاشبہ سنت ہے، لیکن ہمارے نزدیک آج کل اس کا حکم "عموم بلویٰ" کے ماتحت آتا ہے یعنی ایک زمانہ میں ڈاڑھی منڈانا فسقِ جلی تھا اس بنا پر ایسے شخص کی شہادت معتبر نہ تھی لیکن اب جب کہ گھر گھر اور تمام عالم اسلام میں اس کا رواج ہوگیا ہے اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اچھے اچھے نماز روزہ کے پابند یہاں تک کہ تہجد اور اشراق کے پابند۔ زکوٰۃ دینے والے اور حلال و حرام کا فرق رکھنے والے بھی ڈاڑھی منڈانے لگے ہیں تو اب اس کا حکم وہی ہوگا جو ترک جماعت وغیرہ کا ہے یعنی اپنی جگہ پر یہ فعل غیر مستحسن اور مذموم رہے گا لیکن کم از کم سماجی معاملات اور معاشرتی علائق میں اب یہ اس درجہ قابل نکیر نہ ہوگا جتنا کہ پہلے تھا ایک فقیہ کا فرض ہے کہ اس طرح کے مسائل پر گفتگو کرتے وقت گرد و پیش اور زمانہ اور سوسائٹی کے احوال کا لحاظ رکھے۔ اسی بنا پر فقہ کی عام کتابوں میں اور خود قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے کہ "من لم یکن عالماً باحوال زمانہ لم یجز لہ الفتیا" لیکن ہمارے لائق مؤلف سے اس معاملہ میں بھی وہی بے اعتدالی ہوئی ہے۔ وہ اس پر سخت خفا ہیں کہ علماء و مشائخ ڈاڑھی منڈے چھوکروں کو کیوں داماد بنا لیتے ہیں حالانکہ ہوسکتا ہے کہ جس کی ڈاڑھی منڈی ہے اس کا باطن سینکڑوں ارباب ریش سے زیادہ صاف اور اُجلا ہو، اور وہ بیوی کے لئے ایک بہتر شوہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ شعر

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے — آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

اس موقع پر مولانا نے علماء اور مشائخ کو جو چلتی کٹی باتیں سنائی ہیں آپ بھی ان سے لطف اٹھائیے فرماتے ہیں:-

"بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کی ڈاڑھی بھی ایک دینی شعار ہے لیکن جماعت میں چونکہ اس پر کوئی نکیر و نفرت نہیں رہی بلکہ الٹے منڈانا ہی فیشن بن گیا ہے اس لئے علماء و مشائخ سب کے گھروں میں بے دھڑک استرا چلتا رہتا ہے اور باپ بیٹے تک کو نہیں ٹوکتا۔ ڈاڑھی کس شمار میں ہے۔ نماز روزہ تک کے لئے نکیر نہیں ہوتی۔ بلکہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ نام نہاد علماء و مشائخ کو تو فیشن ایبل اور اپ ٹو ڈیٹ داماد ہی کی فکر میں دیکھا" (ص ۱۶۲)

لائق مؤلف کو اس کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ مولانا تھانوی مسلکاً حنفی تھے اور پھر بعض مسائل مجتہد فیہا میں اپنی ایک خاص رائے رکھتے تھے۔ اس بناء پر مسائلِ فقہیہ میں کلام کرتے ہوئے مولانا جو کچھ فرمائیں گے وہ اسی ایک خاص مسلک کی پابندی اور اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے ہی ماتحت ہوگا آپ اس کو حق اور درست جو چاہیں کہیں کہہ سکتے ہیں لیکن اسی کو عین دین کہنا تو درست نہ ہوگا مثلاً مولانا کسی مریض کی طرف سے بکرا ذبح کرنے اور جان کے بدلہ میں جان دینے کا خیال کرنے کو تقول علی اللہ اور ناجائز فرماتے ہیں حالانکہ علمائے دیوبند میں ہم نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے وہ اس قسم کے مواقع پر خود بکرا ذبح کرتے تھے مولانا فرماتے ہیں "عقیقہ پر قیاس درست نہیں کیونکہ وہ خود قیاسی نہیں اور غیر قیاسی حکم صرف نص تک ہی منحصر رہتا ہے" (ص ۵۰۳) گذارش یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے واقعہ اور حکم عقیقہ کے پیش نظر جب اسلام نے ایک مرتبہ اس بات کا اعتبار کر لیا کہ ایک انسان کی جان کا بدلہ بکرے کی جان ہو سکتی ہے تو اب یہ امر شرعاً غیر قیاسی نہیں رہا" بلکہ قیاسی ہوگیا علاوہ بریں یہ معلوم ہے کہ بکرا ذبح کرنا قربۃ من قرباتِ اللہ ہے اور عنداللہ ایک عمل مشروع ہے تو اب اس اساس پر اس کو بے تکلف اختیار کیا جا سکتا ہے اور بے شبہ اس کا ثواب ملے گا۔

(باقی آئندہ)